عوام کا از خود مرتد کو قتل کرنے کا حکم

تالیف

مفتی عبید الرحمان صاحب

رئیس دار الافتاء والارشاد، مردان

مکتبہ دار التقوی، مردان

۰۳۰۰-۹۳۲۶۱۰۱

عوام کا از خود مرتد کو قتل کرنے کا حکم

تعارف مسئلہ اور پس منظر

اجتماعی سطح پر دین داری کی سیادت وسلطنت نہ ہونے کی وجہ سے امت کو تسلسل کے ساتھ بڑے ہی نقصانات ومفاسد کا سامنا ہے، انہی مصائب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلم معاشرے میں ارتداد کی شرح روز افزوں بڑھ رہی ہے، اللہ تعالیٰ، قرآن کریم اور حضور نبی اکرم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیاں کی جاتی ہیں، ایسے مواقع میں اکثر سوال اٹھایا جاتا ہے کہ ایسے مرتد یا گستاخ افراد کو قتل کرنا حکومت کا کام ہے یا عوام کو بھی اس کا اختیار ہے؟ اگر عام لوگ ایسا اقدام کرتے ہیں تو اس کا حکم کیا ہے؟

قتل مرتد اور اس کا ذمہ دار

اگر کوئی شخص مسلمان ہے اور اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ، حضرت رسول اللہ ﷺ یا دین اسلام کی گستاخی وتوہین کرے تو بلا شبہ اس سے وہ کافر اور مرتد ہو جائے گا اور متواتر احادیث وآثار کی روشنی میں ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرتد کو قتل کرنا واجب ہے۔ اس قدر بات تو اتفاقی ہے، لیکن قتل کون کرے؟ اگر عوام کو اس کی کھلی چھوٹ دی جائے تو اس میں حد درجے فتنے اور افراتفری پھیلنے کا اندیشہ غالب ہے کہ کل ہر کوئی اپنے دشمن پر اس طرح کا الزام لگا کر انتقامی کاروائی کرے گا جس کے نتیجے میں بد امنی عام ہو جائے گی اور بہت سے لوگوں کا خون ناحق بہایا جائے گا۔ اس لئے شریعت مطہرہ میں اس حکم کی ادائیگی کی

ذمہ داری عوام کے بجائے حکومت وقت کے سر عائد کی گئی کہ وہ ایسے لوگوں کا صفایا کر لیا کرے۔

حق اور ذمہ داری کا فرق

لیکن واضح رہے کہ یہ حکومت کا اصطلاحی معنی میں حق نہیں ہے کہ چاہے تو وصول کرلے اور چاہے تو یوں ہی چھوڑ دے، اسی طرح اس کو حکومت کے اختیار وصوابدید پر نہیں چھوڑا گیا کہ وہ چاہے تو قتل کرے اور چاہے تو معاف کرے بلکہ ایسے افراد کو قتل کرنا بہر حال ضروری ہے الاّ یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کرکے اور اپنے کئے پر پشیمان ہو کر دوبارہ دین اسلام کے محفوظ حصار میں داخل ہو جائے۔

حکومتوں کی کوتاہی

خیر، بات یہ ہو رہی تھی کہ مرتد کو قتل کرنا ضروری ہے اور یہ ذمہ داری اصلاً حکومت ہی کے سر عائد ہوتی ہے، لہٰذا موجودہ حالات میں اس نوعیت کے قتل وسزا قانون کے دائرے میں رہ کر ہی دی جاسکتی ہے۔ لیکن قانون کا یہ حال ہے کہ:

الف: اکثر تو سیکولر ذہنیت کے حامل افراد کے ہاں قانون سازی ہوتی ہے جن کے ہاں ایسے قوانین " آزادی اظہار رائے" اور "آزادی مذہب" کے دل فریب نعرے سے متصادم ہے اس لئے ان جیسی باتوں کو بحیثیت قانون کسی طرح نافذ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ "بنیادی انسانی قوانین" کے خلاف ہے۔

ب: یا قانون سازی تو درست ہوتی ہے لیکن بیرونی دباؤ اس کے نفاذ وتنفیذ میں رکاوٹ بن جاتا ہے جس کے نتیجہ میں قانون دانی یا اجراء قانون کے وقت کوئی بے بنیاد بہانہ بنا کر مجرم کو رہا کیا جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں بہر حال نتیجہ یہ ہوتا ہے

کہ دہائیاں گزرنے کے باوجود اور بیسیوں افراد پر ایسا فرد جرم عائد ہونے کے باوجود کسی ایک مجرم کو بھی قرار واقعی سزا نہیں دلائی جا سکی۔

حکومتیں غافل ہوں تو کیا حکم ہے؟

اب ایسی صورت حال میں جب حکومتیں اپنے اس فرضِ منصبی کی ادائیگی میں مجرمانہ غفلت کی شکار ہیں، سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے ماحول میں پھر عام مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟

دو ہی شقیں ممکن ہیں:

الف: یا تو عوام اپنے سر پر یہ ذمہ داری لے لیں۔

ب: یا حکومتوں کی طرح عوام بھی اس ذمہ داری کو پورا کرنے سے کنارہ کش رہیں۔

دونوں صورتوں میں بظاہر فائدہ بھی محسوس ہوتا ہے اور نقصان بھی۔ پہلی صورت میں فائدہ یہی ہے کہ ایک واجب حکم کی تعمیل ہو گئی اور نقصان وہی بد نظمی اور بے انتظامی کا خدشہ ہے جبکہ دوسری صورت میں نقصان کی بات یہ ہے کہ ایک واجب حکم یوں ہی معطل و بے کار رہ گیا جس میں فساد کی ایک بڑی بات یہ بھی ہے کہ آئندہ کے لئے ان جیسے جرائم کے دروازے چٹ کھل جائیں گے، اور فائدہ یہ ہے کہ بد نظمی سے نجات ہو جائے گی۔

اس نوعیت کے مسائل اور ان کے مختلف پہلوؤں کو دیکھ کر بار بار علامہ جمال الدین بزدوی رحمہ اللہ کی بات یاد آتی ہے، علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ ان سے نقل کرتے ہیں:

وفي الحامدية عن جواهر الفتاوىٰ قال شيخنا وإمامنا جمال الدين البزدوي أنا متحير في هذه المسألة لا أقدر أن أقول تنفيذ أحكامهم لما أرىٰ من التخليط والجهل والجراءة فيهم، ولا أقدر أن أقول لا تنفيذ؛ لأن أهل زماننا كذلك فلو كذلك فلو أفتيت بالبطلان أدىٰ إلىٰ إبطال الأحكام جميعا يحكم الله بيننا وبين قضاة زماننا أفسدوا علينا ديننا، وشريعة نبينا – صلىٰ الله عليه وسلم – لم يبق منهم إلا الاسم والرسم اه۔[1]

ترجمہ:"فتاوی حامدیہ میں "جواہر الفتاوی "سے منقول ہے کہ: ہمارے" شیخ جمال الدین بزدوی "رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: مجھے اس مسئلہ میں تردد ہے ان ججوں کی گڑبڑ، جہالت، اور جرأت دیکھ کر نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان کے فیصلے نافذ ہوں گے، نہ یہ کہنے کی جرأت ہوتی ہے کہ ان کے فیصلے نافذ نہیں، کیونکہ عوام بھی ایسے ہی ہیں ۔اگر ایسے حالات میں ان کے فیصلوں کے باطل ہونے کا فتویٰ دوں تو یہ سب احکامات کے باطل ہونے کا سبب بنے گا۔اللہ تعالیٰ ہمارے اور اس زمانے کے ججوں کے درمیان بہتر فیصلہ کریں، کیونکہ انہوں نے ہمارا دین وشریعت ہی بگھاڑ دیا جس کا صرف نام ہی باقی بچا ہے"۔

عوامی اقدام اور متعلقہ مصالح ومفاسد کا فقہی جائزہ

اب کرنا کیا چاہئے؟ اس کا پہلا مناسب حل یہ ہے کہ حکومت پر جبر ودباؤ ڈالا جائے، اس کو مختلف طریقوں سے مجبور کر دیا جائے کہ شرعی ضابطہ کے مطابق اس

---

[1] حاشیۃ ابن عابدین، الدر المختار، کتاب القضاء، ج۵ ص۳۶۳.

سمیت تمام جرائم پر مناسب سزا دیا کرے، اگر اس طرح جبر و دباؤ وغیرہ سے یہ مقصود پورا ہو سکے تو بہت بہتر ہے، لیکن اگر اس سے کام نہ چل سکے جیسا کہ ہمارے ہاں عمومی صورت حال ہے تو ایسے موقع پر کیا حکم عائد ہو گا؟

ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں مصالح و مفاسد کا موازنہ کیا جاتا ہے اور اس کے بعد ہی کسی ایک پہلو کو ترجیح دی جا سکتی ہے، اس لئے یہاں دونوں صورتوں میں موجودہ و ممکنہ مصالح و مفاسد کا جائزہ لینے کی کوشش کی جاتی ہے تا کہ اس کے نتیجے میں کسی ایک پہلو کو اختیار کیا جا سکے۔

عوامی سطح پر قتل کی اجازت دینے یا اس کے تائید کرنے میں بڑا مفسدہ یہی ہے کہ ان جیسے اقدامات کے نتیجے میں افراتفری پھیلنے کا خدشہ ہے، ملک و ملت میں بد انتظامی شروع ہو جانے کا اندیشہ ہے اور یہ نقصان بھی ہے کہ یہ اپنے اختیارات سے کچھ تجاوز کرنے کی ایک صورت ہے جس میں ایک گونا حکومت و حاکم کی ایک بے اکرامی بھی ہے، اس کو حضرات فقہاء کرام "افتیات علی الامام" سے تعبیر فرماتے ہیں۔

لیکن اگر دوسری شق اختیار کی جائے اور اس صورت میں عوام کو از خود کوئی اختیار نہ دی جائے تو اس میں بڑا مفسدہ یہ ہے کہ شریعت کا ایک ضروری حکم مکمل طور پر معطل ہو جائے گا اور حکم کا اس طرح معطل ہونا اکیلا اپنے تئیں دسیوں منکرات و خطرات رکھتا ہے۔

مثال کے طور پر:

۱:اس سے ان لوگوں کو بھی جرأت ہو جائے گی جن کے دلوں میں پہلے سے کجروی موجود ہے اور وہ لوگ بھی جلد یا بدیر ان جیسے جرائم کا ارتکاب کرنے لگ جائیں گے کیونکہ یہ انسانی نفسیات کا اصول ہے کہ جب کسی جرم پر کوئی سزا نہ دی جاتی ہے تو معمولی معمولی مفاد کے لئے بھی لوگ ایسے جرائم کر گزرتے ہیں، جبکہ مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا، ان کو ہمیشہ سرگردان اور پریشان رکھنا اور غیظ وغضب کے پیکر بنانا، اسلام دشمن طاقتوں کے اہم اور بنیادی مقاصد واہداف میں سے ہے جس میں وہ اپنے لئے بہت مفاد خیال کرتے ہیں۔

۲:اسی طرح اس کے نتیجے میں بہت سے مخلص مسلمان جذباتیت کے نذر ہو جاتے ہیں اوراس کے نتیجے میں ملک وملت کے بہت کچھ جانی یا مالی نقصان ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

۳: نیز اس طرح تمام مسلمانوں کی خاموشی سے اپنے حکومتوں اور سلاطین بھی جسارت کرنا شروع کریں گے اور اپنی ناجائز اغراض وخواہشات یا اپنے دور سلطنت کو طول دینے کے لئے یا یوں ہی اسلام دشمن طاقتوں کے جبر ودباؤ میں آکر دیگر شرعی احکام کو بھی معطل کرنا شروع کریں گے اور یوں محض ایک حکم کی تعطیل دسیوں احکام کی تعطیل وتحریف کی بھیانک شکل اختیار کرے گی اور مخالف طاقتوں کو ایک نہایت آسان اور بہترین گُر ہاتھ آجائے گا جس کے بل بوتے وہ بڑی سہولت وآسانی کے ساتھ دین اسلام کو عملی دنیا سے دور رکھ سکیں گے جو ان کا دیرینہ خواب اور ہمیشہ کی تمنا ہے۔ اور پھر اسی پر بس نہیں ہے بلکہ اس کے بعد دین اسلام کی جو کچھ مسخ شدہ شکل باقی رہ جائے گی، اس کو دیکھ کر بہت سے عقل سلیم

اور انصاف پسند طبیعتوں کے حامل لوگ بجا طور پر غلط فہمی یا گمراہی کے شکار ہو جائیں گے۔

اب غور کرنے کی بات ہے کہ عوامی سطح پر قتل کی اجازت دینے کی صورت میں تو صرف افراتفری اور بد انتظامی کا خدشہ ہے اور یا زیادہ سے زیادہ یہ اندیشہ کہ حاکم یا حکومت کی کچھ بے اکرامی ہو جائے گی لیکن بالکل اجازت نہ دینے کی صورت میں درج بالا مفاسد جنم لیتے ہیں۔ پھر پہلی شق کو اختیار کرنے کی صورت میں جو دو مفاسد ذکر کئے گئے ہیں، ان میں سے دوسرا مفسدہ کچھ غیر معمولی اہمیت کی حامل نہیں ہے چنانچہ اگر کوئی حکومت / حاکم ایسے ضروری قوانین کی قانون سازی یا ان کا عملی طور پر اجراء نہیں کرتا تو وہ اس قدر تعظیم واکرام کا مستحق ہی کہاں ہے؟ وہ تو ویسے ہی کچھ نہ کچھ بے اکرامی ہی کا سزاوار ہے، لہٰذا یہ تو کوئی زیادہ اہمیت کا حامل نکتہ نہیں ہے۔

بے انتظامی کا عذر: اور اس کا مناسب سدّباب

جہاں تک بے انتظامی اور افراتفری کے اندیشے کا سوال ہے تو گو اس کے مقابل صورت میں جو کچھ مفاسد سامنے آتے ہیں، محض بد انتظامی ان کی بنسبت کافی ہلکی اور قابل برداشت چیز ہے لیکن پھر بھی اس کا سدّباب کسی حد تک ہو سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ ہر مرتد / گستاخ کے متعلق مباح القتل یا واجب القتل ہونے کی بات نہ کی جائے نہ ہی اس کی حوصلہ افزائی کی جائے بلکہ اسی مرتد / گستاخ کے متعلق قتل کی بات کی جائے جس کا یہ جرم "ارتداد / گستاخی" شرعاً درجہ ثبوت تک پہنچتا ہو، ایسے

ہی شخص کے قاتل کی حوصلہ افزائی کی جائے یا کم از کم اس کے حوصلہ شکنی سے دست بردار ہونا چاہئے۔

تعطیل احکام کا نتیجہ بد انتظامی

نیز یہ بھی تجربہ اور عقل و نقل سے ثابت ہے کہ مسلمان حاکم[1] یا حکومت اگر اللہ تعالیٰ کے ضروری حدود احکام کو معطل چھوڑ دے تو دیگر نتائج بد کے ساتھ ساتھ بے انتظامی بھی ایسے حکومت کے گلے کا ہار بن جاتا ہے۔ عقلی طور پر تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ علیم و قدیر ہے جب اس کو ناراض کیا جائے تو انسانیت کو اپنے اعمال بد کا کچھ بدلہ دکھانے یا چکھانے کے لئے ایسے حالات پیدا فرمادیتے ہیں جن میں مسلمان آپس میں دست بگریبان کی تصویر بن جاتے ہیں اور بے انتظامی بلکہ خانہ جنگی ان کی نصیب بن جاتی ہے، بہت سے نصوص بھی اس پر دال ہیں۔

اور نقلی طور پر اس لئے کہ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط تحریر فرمایا، جس میں وہ لکھتی ہیں:

سلام عليك. أما بعد: فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من التمس رضاء الله بسخط الناس كفاه الله مؤنة الناس،

---

[1] یہاں "مسلمان" کی قید ملحوظ رہے، لہٰذا کافر ممالک کے حسنِ انتظام کو دیکھ کر اشکال نہیں ہونا چاہئے، شاعرِ مشرق نے کیا خوب ارشاد فرمایا:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

ومن التمس رضاء الناس بسخط الله وكله الله إلى الناس، والسلام عليك.[١]

ترجمہ:"مسنون سلام کے بعد عرض یہ ہے کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے: جو شخص خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں مخلوق کی ناراضگی کی پرواہ نہ کرے، اللہ تعالیٰ مخلوق کی ناراضگی کے بوجھ سے اس کے لیے کافی ہوتے ہیں (اوران کی ناراضگی کے باوجود بھی ان کا کام رکتا نہیں) اور جو شخص لوگوں کو خوش کرنے کے لیے خدا تعالیٰ کو ناراض کرے تو اللہ تعالیٰ اسے مخلوق کے حوالہ کرتے ہیں"۔

" صحیح ابن حبان" میں ایک جگہ یہ روایت درج ذیل الفاظ کے ساتھ بھی نقل کی گئی ہے:

عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من التمس رضى الله بسخط الناس رضي الله عنه، وأرضى الناس عنه، ومن التمس رضا الناس بسخط الله سخط الله عليه، وأسخط عليه الناس».[٢]

ترجمہ:"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی منقول ہے کہ :جو شخص خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں مخلوق کی ناراضگی کا پرواہ نہ کرے، اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتے ہیں اور مخلوق (کے دلوں سے بھی اس کی ناراضگی ختم فرماتے ہیں اور وہ) بھی اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اور جو شخص لوگوں کو خوش کرنے

---

[١] سنن الترمذي ت بشار، رقم الحديث:٢٤١٤. قُبيل أبواب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، ج٤ص١٨٨.

[٢] صحیح ابن حبان، ذکر رضاء اللہ جل وعلا عمن التمس رضاہ بسخط الناس، ج١ص٥١٠.

کے لیے خدا تعالیٰ کو ناراض کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ناراض ہوتے ہیں اور مخلوق کے ساتھ بھی اس کا معاملہ بگاڑتے ہیں"۔

جہاں تک تجربے کا دعویٰ ہے تو ہر ذی ہوش گزری ہوئی اسلامی سطنتوں اوران کے عروج وزوال پر غور کر کے اس کی تصدیق کر سکتا ہے۔

لہٰذا شق اول کی صورت میں جو بد انتظامی کی بڑی اور بنیادی خرابی موجود تھی، وہ کچھ اسی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تعطیل حکم کی صورت میں بھی وہ خرابی لازم آتی ہے۔

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ ہوا کہ حکومت اگر مجرمانہ غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے گستاخی کی بناء پر کسی کو قتل کرنے سے پہلو تہی کی چادر تھان لیتی ہے تو ایسی صورت میں کیا عوام کو یہ حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ ایسے شخص کو قرار واقعی سزا دیکر اس کا تصفیہ کر دیں یا نہیں؟ ان دونوں شقوں میں موجودہ وممکنہ مصالح ومفاسد کا موازنہ کرنے سے بظاہر پہلے شق کا راجح ہونا ظاہر ہوتا ہے، تاہم ایسے اقدام کرنے، اس کو سراہنے یا تنقید کرنے میں بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس پہلی شق اختیار کرنے کی صورت میں جن مفاسد کا اندیشہ ہے، اربابِ علم اور دینی درد وفکر رکھنے والے افراد ان سے نمٹنے کے لئے کوئی ایسا لائحہ عمل طے کر سکتے ہیں جس کے نتیجے میں بلا وجہ کسی کو "گستاخ" ٹھہرانے کی نوبت آئے اور نہ ہی کوئی دوسرا ناجائز اقدام اٹھایا جائے۔

حکومت کب تعزیری سزا کی مُجاز ہے؟

گزشتہ سطور میں ذکر کیا گیا ہے کہ عوام کو از خود ایسا اقدام نہیں کرنا چاہئے بلکہ حکومت ہی کے سہارے شرعی سزا نافذ کروانی چاہئے، عام شخص اگر خود ایسا اقدام کرے تو حاکم کو اختیار ہے کہ اس کو تعزیری سزا دے دے۔ یہاں یہ ذکر کرنا مقصود ہے کہ یہ بات تو اپنی جگہ بالکل درست اور مناسب ہے، تاہم یہ تب ہے جب عام افراد بے ضابطگی سے کام لے لیں، مثال کے طور وہ حکومت کو اطلاع دے سکتے ہیں اور حکومت کے ذریعے متعلقہ شرعی سزا جاری کرواسکتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ جلد بازی / طیش / بے صبری سے کام لے کر خود ہی قتل کر ڈالیں، اگر عوام اس طرح بے ضابطگی سے کام نہ لیں تو ایسی صورت میں وہ حکومت کی طرف سے سزا کے مستحق نہیں ہیں بلکہ اسلامی حکومت کی جانب سے تشکر اور اعزاز کے مستحق ہیں۔

"شرح سیر کبیر" میں ہے:

وإذا حاصر المسلمون حصنا فليس ينبغي لأحد منهم أن يؤمن أهل الحصن ولا أحدا منهم إلا بإذن الإمام.

ترجمہ: "اگر مسلمان کفار کے کسی قلعہ کا محاصرہ کریں تو کسی مسلمان کے لیے مناسب نہیں کہ حاکم کی اجازت کے بغیر ان سب کو یا کسی ایک کو امان دے"۔

پھر اس مسئلہ کی تین وجوہات ذکر فرمائی گئیں ہیں جو اپنی جگہ بہت اہمیت کی حامل ہیں، اس کے بعد لکھا ہے کہ: اگر امام کی ممانعت کے بعد بھی کوئی عام مسلمان شخص کسی خارجی کافر کو امان دیتا ہے تو اس کو امان حاصل ہو جائے گا اور حکومت

سمیت تمام مسلمانوں کے لئے اس امان کا لحاظ رکھنا ضروری ہو گا، اگر امام کے خیال میں متعلقہ شخص کو امان دینا مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف ہو تو وہ صاف طور پر اطلاع دیکر اس کو ختم بھی کر سکتا ہے، فرماتے ہیں:

فإن فعل ذلك فهو جائز. لأن علة صحة الأمان ثابت ومتكامل في حق كل مسلم، على ما أشار إليه رسول الله - صلى الله عليه وسلم - في قوله «يسعى بذمتهم أدناهم» وعلى الإمام أن يكف عن قتالهم حتى ينبذ إليهم بعدما يردهم إلى مأمنهم، وإن كانوا أخرجوا.- **وإن رأى أن يؤدب الذي آمنهم فعل. لأنه أساء الأدب حين فعل ما يرجع إلى الاستخفاف بالإمام، ولو لم يؤدبه اجترأ غيره على مثله، وذلك يقدح في السياسة وتدبير الإمارة. إلا أنه إذا آمنهم على وجه النظر منه للمسلمين وظهر ذلك للإمام فإنه لا يؤدبه في ذلك. لأنه قصد بفعله توفير المنفعة على المسلمين، فربما تفوتهم تلك المنفعة لو أخره إلى استطلاع رأي الإمام، وفي مثل هذه الحالة يباح له إعطاء الأمان.** فإن الواحد منهم إذا قال له سرا: آمني على أن أدلكم على عوراتهم، أو على أن أفتح لك الحصن، وخاف إن لم يؤمنه أن يفوته ما وعده من ذلك، فلا إشكال أن له أن يؤمنه من غير استئمان الإمام. لأن الأمان في مثل هذه الحالة يرجع إلى تحصيل مقصود

المسلمين، وهو يستوجب الشكر على ذلك لا التأديب، فلا يؤدبه في مثل ذلك الموضع.[١]

ترجمہ:" اگر کوئی مسلمان حالت جنگ میں کسی کافر کو امان دے دے تو درست ہے، کیونکہ امان دینا شرعاً ثابت ہے اور ہر مسلمان کو اس کا پورا پورا حق حاصل ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے اپنے اس ارشاد گرامی میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ:" کہ ان میں سے ادنی مسلمان بھی کسی کو امان دے دے تو اس کی پاسداری کی جائی گی "۔اس صورت میں خلیفہ پر لازم ہے کہ وہ ان کے ساتھ صلح ختم کرنے اور محفوظ جگہوں تک منتقل ہونے تک جنگ کرنے سے رک جائے۔اگر امیر امان دینے والے کو اس بے ادبی پر کہ اس نے ایسا کام کیا ہے جس سے امیر کی ناقدردانی ہوتی ہے اسے سزا دینا مناسب سمجھے تو سزا دے سکتا۔اگر امیر اسے سزا نہ دے تو دوسرے لوگوں جری ہوں گے اور یہ سیاسی اور انتظامی لحاظ سے اچھا نہیں۔البتہ اگر امیر کے خیال میں انہوں نے مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر امن دی ہو تو پھر سزا دینے کی ضرورت نہیں ،کیونکہ انہوں نے اس کام سے مسلمانوں کی زیادہ بھلائی کا ارادہ کیا ہے چنانچہ بسا اوقات حاکم سے اجازت لینے تک معاملہ مؤخر کرنے سے وہ منفعت ختم ہوتی ہے تو اس حالت میں امن دینے کی گنجائش ہے۔چنانچہ اگر کوئی کافر مسلمان سے چپکے عرض کرے کہ مجھے امن دیجیے میں کفار کے راز بتاؤں گا،یا قلعہ کا دروازہ کھولوں گا اور یہ ڈر ہو کہ اگر اسے امن نہ دی جائے تو یہ فائدہ چوٹ جائے گا تو اس حالت میں امیر کی اجازت کے بغیر بھی اسے امن دینا درست ہے،کیونکہ اس حالت

---

[١] شرح السیر الکبیر،باب من الأمان بغیر إذن الإمام وبعد نهي الإمام،ص:٥٧٦.

میں امن دینے میں مسلمانوں کے مقصد کا حصول ہے جس پر اس کو سزا نہیں بلکہ اس کی قدر دانی کرنی چاہیے، لہذا ان جیسے مواقع میں سزا دینا درست نہیں"۔

موضوع سے متعلق کچھ اشکالات وشبہات

پہلا اشکال: حکومتی اختیارات ہاتھ میں لینا

کہا جاتا ہے کہ عوامی سطح پر ایسے مجرموں کو قتل کرنا حکومتی اختیارات کو ہاتھ میں لینے کے مترادف ہے اس لئے کیونکر اس کی اجازت دی جاسکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عام حالات میں یہ دونوں باتیں درست ہیں کہ ایسا کرنا حکومتی اختیارات کو ہاتھ میں لینا ہے اور حکومتی اختیارات ہاتھ میں لینا ممنوع ہونا چاہئے، اسی لئے اوّلاً کوشش کر لینی چاہئے کہ قانونی راستہ اختیار کیا جائے اور اسی کے سہارے مقصود کی تکمیل کر لینی چاہئے لیکن اگر کہیں حکومتیں ان باتوں کو قانونی جرم کا درجہ ہی نہ دیں، یا زبانی وکاغذی طور پر تو اس کو جرم ہی کہیں لیکن عملی طور پر اس کی مقررہ سزا نافذ ہی نہ کرنا چاہے بلکہ الٹا ایسے خطرناک مجرموں کو تحفظ کا راستہ دیدینا شروع کریں، تو وہاں کیا حکم مرتب ہو گا؟ اور عام افراد کے لئے ان جیسے مواقع میں کیا لائحہ عمل اختیار کر لینا چاہئے؟ آیا ان جیسے ضروری احکام کو یوں ہی معطل چھوڑ دینا چاہئے یا عوام کو اختیار دیدینی چاہئے؟ اصل محل بحث یہی قضیہ ہے اور یہ ساری تحریر اسی صورت کے متعلق ہے۔ اس صورت میں مجبوری کی وجہ سے جزوی طور پر حکومتی اختیارات ہاتھ میں لے لینا اہون ہے یا حکم کو مکمل طور پر معطل چھوڑنا؟

دوسرا اشکال: حکومتیں ہی ان احکام کے مکلف ہیں نہ کہ عوام

اصولی نقطہ نظر سے اس پر یہ اشکال بھی کیا جاسکتا ہے کہ ان جیسے جرائم کی بناء پر مجرم کو قتل کرنے کا حکم حکام کی طرف متوجہ ہے اور وہی اس حکم کے مخاطب اور مکلف ہیں، وہ اس حکم پر عمل کریں یا اس سے روگردانی کا رویہ برتیں، وہ اپنی جگہ، لیکن بہرحال عوام جب اس حکم کے مخاطب نہیں تھے تو کیونکر ان کو قتل کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے! علامہ ماوردی رحمہ اللہ وغیرہ بہت سے اہل علم فرماتے ہیں:

فَإِذَا ثَبَتَ وُجُوبُ الْإِمَامَةِ فَفَرْضُهَا عَلَى الْكِفَايَةِ كَالْجِهَادِ وَطَلَبِ الْعِلْمِ، فَإِذَا قَامَ بِهَا مَنْ هُوَ مِنْ أَهْلِهَا سَقَطَ فَرْضُهَا عَلَى الْكِفَايَةِ، وَإِنْ لَمْ يَقُمْ بِهَا أَحَدٌ حَرَجَ مِنَ النَّاسِ فَرِيقَانِ: أَحَدُهُمَا: أَهْلُ الِاخْتِيَارِ حَتَّى يَخْتَارُوا إِمَامًا لِلْأُمَّةِ. وَالثَّانِي: أَهْلُ الْإِمَامَةِ حَتَّى يَنْتَصِبَ أَحَدُهُمْ لِلْإِمَامَةِ، وَلَيْسَ عَلَى مَنْ عَدَا هَذَيْنِ الْفَرِيقَيْنِ مِنَ الْأُمَّةِ فِي تَأْخِيرِ الْإِمَامَةِ حَرَجٌ وَلَا مَأْثَمٌ.[1]

ترجمہ: "جب خلافت کا واجب ہونا ثابت ہوا تو یہ بھی چونکہ جہاد اور حصولِ علم کی طرح فرض کفایہ عمل ہے، لہذا جب اس کے لیے کچھ مناسب لوگ کوشش کرنے لگے تو باقی لوگوں سے اس کا فریضہ ساقط ہو گا۔ اگر اس کے قائم کرنے کے لیے کوئی بھی کھڑا نہ ہو تو دو قسم لوگ گناہ گار ہوں گے: اہل حکومت، یہاں تک کہ وہ امت کے لیے ایک خلیفہ کا انتخاب کریں۔ دوم: اہل امامت (امت کے باصلاحیت لوگ) یہاں تک کہ اپنے آپ میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کریں۔ امت میں ان دو جماعتوں کے

---

[1] الأحكام السلطانية للماوردي، الباب الأول في عقد الإمامة، فَصْلٌ: فِي بَيَانِ حُكْمِ الْخِلَافَةِ، ص ١٧.

علاوہ خلافت قائم کرنے میں پس وپیش کرنے میں دیگر افراد پر کوئی گناہ ومواخذہ نہیں"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نصوص میں جہاں ان جیسے جرائم کی سزا دینے کا حکم دیا گیا ہے تو اس کے لئے مختلف اسالیب اختیار فرمائے گئے ہیں، کہیں صاف امر کی شکل میں حکم دیا گیا ہے، کہیں امتثال میں کوتاہی کرنے پر مذمت کی گئی اوراس پر وعیدیں سنائی گئیں جبکہ کہیں اس پر مرتب ہونے والے نتائجِ بد سے امت مرحومہ کو آگاہ فرمایا گیا ہے۔ غرض اس حکم کے لزوم ووجوب کے لئے متعدد اصناف واسالیب کو اختیار فرمایا گیا، لیکن ان میں کہیں بھی بطور شرط لازم کے حاکم یا حکومت کا ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ حاکم ہی ان نصوص کا مخاطب اور وہی اس کا مکلف ہے۔

البتہ تمام احکام کی طرح یہ حکم بھی بشرطِ قدرت اور بقدر استطاعت مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو گا اور جس کی جس قدر استطاعت ہو اس حد تک وہ مکلف قرار دیا جائے گا۔ اب حاکم کی طاقت اور عام رعایا کی استطاعت میں فرق بالکل واضح ہے کہ حاکم ثبوتِ جرم کے بعد اس کی حقیقی سزا نافذ کرنے کی قدرت رکھتا ہے یعنی مجرم کو قتل کر سکتا ہے جبکہ عام رعایا اس قدر استطاعت نہیں رکھتے۔

یاد رہے کہ یہاں شرعی استطاعت کی نفی کرنا مقصود ہے یعنی اگر عوام از خود ایسے جرائم کی قرار واقعی سزا نصب کرنے لگ جائیں تو اس پر ایسے مفاسد اور منکرات مرتب ہوں گے جو خود اس حکم کے ترک کرنے سے زیادہ اشد ہوں گے۔ حاصل یہ ہوا کہ اصل نصوص تو تمام امت کی طرف بقدرِ استطاعت متوجہ ہیں اور

چونکہ اس بات کی پوری استطاعت حاکم ہی رکھتا ہے اس لئے وہی اس سزا کو جاری کرنے کا ذمہ دار ہے لیکن اگر کہیں حاکم قدرت کے باوجود اس سلسلے میں مجرمانہ غفلت برتنے لگ جائے تو بھی اصل حکم برقرار رہے گا اور جو بھی شخص حسی اور شرعی استطاعت رکھ سکتا ہے، وہ ایسے مجرم کو اپنے کیفر کردار تک پہنچانے کا کام کر سکتا ہے۔

علامہ ماوردی رحمہ اللہ کی جو عبارت ذکر کی گئی ہے، ان جیسی تمام عبارات میں قدرت واستطاعت کی قید ملحوظ ہے اور اس کے بعد ان عبارات کا حاصل و مدّعیٰ یہی بنتا ہے جو یہاں درج کیا گیا ہے[1]۔

اس تحریر کی حیثیت

یاد رہے کہ اس تحریر کی حیثیت کسی فیصلے یا فتوی کی نہیں ہے، کوئی خاص واقعہ پیش نظر نہیں ہے، اسی طرح جذباتیت بھی وغیرہ مذموم عناصر سے بھی دور رہتے ہوئے خالص علمی اور دینی بنیادوں پر بات کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مقصود یہ ہے کہ اہل علم کے سامنے مسئلہ کے تمام تر پہلوؤں آسکیں اور اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ ہو جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

---

[1] یہ علامہ ماوردی رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کی ایک مناسب توجیہ ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ اصلاً "علم اصول فقہ" کا مسئلہ ہے کہ فروض کفایہ کا مخاطب کون ہے؟ اور اجتماعی طور پر چھوڑنے کی صورت میں اس کی ذمہ داری یا وبال کس پر عائد ہو گا؟ ہمارے فقہائے حنفیہ کے اصول وضوابط کے مطابق علامہ ماوردی رحمہ اللہ کی درج بالا تحقیق کا متبادر مفہوم و مدعیٰ درست نہیں۔ اس کی تفصیل اس ناکارہ کی کتاب "علمی و فقہی مقالات" میں مذکور ہیں۔

بندہ عبید الرحمن عفی عنہ

دارالافتاء جامعہ محمدیہ، مایار مردان۔

١٩ ذی الحجہ ٤٢ھ